اختر راہی بی۔ اے

مفتی صدرالدین آزردہ

صدرالصدور دہلی

گداز جسم، سانولا رنگ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بھری ہوئی ڈاڑھی بہت سیدھی سادھی وضع کے آدمی ہیں۔ ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں۔ بدن میں سفید ایک بر کا پائجامہ، سفید کرتہ اور سفید ہی عمامہ ——— یہ ہیں مفتی صدرالدین آزردہ، جو اصلاً کشمیری ہیں۔ ان کے والد لطف اللہ غالباً تجارت کی غرض سے دہلی آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء) میں صدرالدین پیدا ہوئے کسی نے تاریخ پیدائش لفظ "چراغ" سے نکالی ہے۔ درحقیقت مفتی صاحب کی ذات ایک "چراغ" ہی تھی جس سے سینکڑوں چراغ روشن ہوئے۔ دیوبند اور علی گڑھ دونوں کے بزرگوں نے اس "چراغ" سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔

تعلیم | مروجہ منقولات کی تعلیم خانوادۂ ولی اللہی کے عظیم فرزندوں۔ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ سے حاصل کی۔ اور معقولات کی تحصیل مولوی فضل امام خیر آبادیؒ سے کی۔ زمانے کی روش کے مطابق خوشنویسی میں کمال حاصل کیا۔ اس فن میں بہادر شاہ ظفر سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

ملازمت | انگریزی حکومت کی طرف سے دہلی کے صدرالصدور مقرر ہوئے۔ سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

"انگریزوں کو اس بات کی بڑی خواہش جستجو رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خاندانی اور ذی وجاہت اشخاص افتاء صدارت کے مناصب قبول کر لیں تاکہ شمالی ہند میں

انگریزی حکومت عوام میں مقبول ہو سکے ہندوستانیوں کے لئے بڑے سے بڑا عہدہ صدرالصدور بعدالت کا تھا۔ اس لئے اکابر و فاضل کو یہی پیش کیا جا سکتا تھا۔ دہلی چونکہ قدیم دارالحکومت اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھی۔ اس لئے یہاں کی صدارت کے لئے خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا تھا۔ کلکتہ سے صاحب کلاں (ریذیڈنٹ) کو لکھا گیا کہ امرائے شہر اور بادشاہ سے مشورہ کر کے کسی ایسے شخص کو صدرالصدور مقرر کریں جس کی وجاہت اور علم و فضل مسلمانوں میں مسلّم ہو۔ ریذیڈنٹ نے بادشاہ اور امرائے شہر سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے ہوئی کہ مولوی صدرالدین منظور کر لیں تو ان سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بادشاہ اور امراء ثقات کے متفقہ اصرار سے انہوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا۔"

دورانِ ملازمت میں فرائضِ منصبی کماحقہ پورے کئے۔ بڑے بڑے ارکانِ سلطنت کو ان پر اعتماد تھا۔ جب جنرل آکٹرلونی راجپوتانہ کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا تو اس کے ہمراہ چار سو روپیہ ماہانہ مشاہرے پر رہے۔ آکٹرلونی کو ان پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی | مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی جہاد کی روح سے سرشار گوالیار سے دہلی گئے۔ دہلی اس دور میں علماء و فضلاء اور صوفیاء کا مرکز تھی، ایک ایک صاحب اثر سے مل کر حالات کی نزاکت واضح کی، لیکن کسی کے سینے میں وہ آگ روشن نہ پائی جس سے خود سراپا سوز تھے۔ دہلی بھر میں مفتی صدرالدین ہی تھے جنہوں نے جہاد پر آمادگی کا اظہار کیا اور مولوی احمد اللہ شاہ کو مشورہ دیا کہ دہلی کی بجائے آگرہ کو تنظیمی مرکز بنایا جائے۔ مفتی موصوف نے مفتی انعام اللہ وکیل کے نام ایک تعارفی خط دیا جو آگرہ میں مقیم تھے، اسی تعارفی خط کی بدولت مولوی احمد اللہ شاہ کی آگرہ میں بڑی خاطر مدارات ہوئی اور جنگ آزادی کی تڑپ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

غدر کے ابتدائی ایام میں عدالت کا کام چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ لیکن تا بکے ہنگامۂ آزادی زوروں پر تھا۔ بخت خان بریلی سے دہلی آیا اور علماء نے ایک فتویٰ جہاد مرتب کیا۔ جس پر مفتی صاحب نے بھی دستخط کئے۔ یہی وہ "دستخط" تھے جن کی بنا پر مرکز عتاب بنے۔

عتاب | دستخط کرنے کی پاداش میں منصب سے محروم کر دیئے گئے۔ جائداد ضبط کر لی گئی۔ تین لاکھ روپے کی مالیت کا کتب خانہ بھی ضبط ہو گیا۔ جس کے حصول لاہور میں لارڈ لارنس سے بھی ملے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مقدمہ چلنے لگا۔ آخر میں کامیاب ہوئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد

رقمطراز ہیں :

مفتی صاحب نے بھی اس فتویٰ (جہاد) پر دستخط کئے تھے۔ دستخط کے نیچے "کتبت الخیر" لکھ دیا تھا۔ عربی میں عبارت کے خاتمے پر اس قسم کے اختتامی الفاظ لکھنے کا رواج ہے، لیکن انہوں نے "بالخیر" کی "ی" کے نقطے نہیں دیئے تھے۔ غدر کے بعد ان کی روبکاری ہوئی اور فتویٰ پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا: ہاں! ٹھیک ہے میں نے دستخط کئے تھے، لیکن میں مجبور تھا، اور مجھ سے بہ جبر و تشدد دستخط لئے گئے تھے۔ میں نے صاف لکھ دیا تھا۔ "کتبت بالجبر"

مولانا آزاد کی رائے ہے کہ یہ محض کوئی لطیفہ نہ تھا، بلکہ مفتی صاحب نے بالقصد یوں ہی کیا تھا۔ چنانچہ باعزت بری ہو گئے۔ بعد ازاں فنانش کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر نے نصف جائداد واگذاشت کر دی۔ منقولہ جائداد جو نیلام ہو چکی تھی نہ مل سکی۔

ملازمت سے بعد کی زندگی ملازمت سے علیحدگی کے بعد جو نصف جائداد واگذاشت ہوئی تھی۔ اس کے کرائے پر معاش تھا۔ کرایہ صرف تیس چالیس روپے ماہانہ تھا۔ لیکن نیک دلی اور اقربا نوازی کا یہ عالم تھا کہ اپنے بعض متعلقین کی اولاد کی کفالت بھی کرتے تھے۔ مرزا غالب حکیم سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں :

"اگرچہ یہ امداد (کرایہ) ان کے گزارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی۔ تیس، چالیس مہینے کی آمدن۔ لیکن چونکہ امام بخش کی اولاد ان کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں، لہذا فارغ البالی سے نہیں گزرتی — ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرۂ ثامنہ کے آخر میں ہیں — خدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں۔"

وفات عمر کے آخری بارہ سال عسرت و افلاس میں بسر کئے لیکن راضی بہ رضائے الٰہی رہے۔ دو سال فالج کے مرض میں مبتلا رہ کر اکیاسی سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ (۱۵ جولائی ۱۸۶۸ء) وفات پائی۔ اور "چراغ دہلی" کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ مرزا غالب کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ۱۱ دسمبر ۱۸۶۲ء کو حضرت مفتی صاحب پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔

شمس الشعراء مولوی ظہور علی نے تاریخ وفات کہی :

چہ مولانائے صدر الدین کہ در عصر　　امام اعظم آخر زمان بود

زہے صدرالصدور نیک محضر — بعدل و داد چوں نوشیرواں بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت — کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود
ربیع الاوّل و بست و چہارم — وداعِ اُو سوئے دارالجناں بود
ظہور افسوس آں اوستادی ذی قدر — پدر دارم ہمیشہ مہرباں بود
چہ اغش ہست تاریخ ولادت — کنوں گفتم "چراغِ دو جہاں بود"
۱۲۰۴ھ — ۱۲۸۵ھ

لالہ سری رام مؤلف خم خانہ جاوید نے تاریخ وفات کا مادہ "چراغِ امم" لکھا ہے۔
۱۲۸۵ھ

خدمات دینیہ | دورانِ ملازمت میں جامع مسجد دہلی کے مدرسہ "دارالبقاء" کا ازسرِنو اجرا کیا۔ یہ مدرسہ عہدِ شاہجہانی کی یادگار تھا۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنی رونق کھو بیٹھا۔ مفتی صاحب کی علم دوستی کام آئی۔ انہوں نے طلباء کے طعام اور لباس کا انتظام اپنے ذمہ لیا اور "دین کے سوتے" کو ازسرِنو جاری کر دیا۔ یہاں بیسیوں علماء نے ان سے استفادہ کیا۔

تالیفات | کثرتِ درس کی وجہ سے تالیف کی طرف بہت کم توجہ رہی۔ پھر بھی مندرجہ ذیل کتب تالیف کیں۔ ان میں سے بھی بیشتر تحریریں ہنگامہ آزادی کی نذر ہو گئیں۔

۱۔ رسالہ منتہی المقال فی شرح لاتشد الرحال
۲۔ درالمنضود فی مرأت المفقود
۳۔ مجموعہ فتاوی (مختلف فتاوی کے جوابات)
۴۔ تذکرہ شعرائے اردو۔ مصطفیٰ خان شیفتہ نے ان کے تذکرے کا ذکر کیا ہے۔ جو ناپید ہے۔
۵۔ شرح متنبی (ناپید ہے) مولانا آزاد اپنے والد مولوی خیرالدین سے نقل کرتے ہیں کہ "ادب عربی کا ذوق ان سے بڑھ کر میں نے کسی فاضل میں نہیں پایا۔ حماسہ کے سینکڑوں اشعار نوکِ زبان تھے۔ متنبی کا درس سب سے پہلے انہوں نے ہی دینا شروع کیا۔ ورنہ اس کا کلام درس کی چیزوں میں داخل نہ تھا۔ انہوں نے متنبی کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔

اولاد | مفتی صاحب کی صلبی اولاد نہیں تھی اپنی بیوی کے حقیقی بھانجے مولوی عنایت الرحمٰن کو متبنیٰ کر لیا تھا۔

تلامذہ | مفتی صدر الدین آزردہ سے بیشمار علماء نے استفادہ کیا۔ ان کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ صرف نامور شاگردوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	(تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۳۱)
۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	(سوانح محمد احسن نانوتوی ص ۳۱)
۳۔ مولانا محمد منیر نانوتویؒ	(〃 〃 〃 ص ۱۵۷)
۴۔ نواب صدیق حسن خانؒ قنوجی	(غالب ص ۲۸۶)
۵۔ مولوی خیر الدین (والد مولانا آزاد)	(〃 ص ۲۸۲)
۶۔ نواب یوسف علی خان والیٔ رامپور	(تاریخ ادب اردو۔ ص ۴۰۵)
۷۔ سر سید احمد خان	(〃 〃 〃 ص ۴۰۵)
۸۔ مولوی ذوالفقار علی	(گل رعنا۔ ص ۳۳۲)
۹۔ مولوی فیض الحسن	(〃 ۔ ص ۳۳۲)
۱۰۔ مولوی سمیع اللہ سی۔ جی۔ ایم	(〃 ۔ ص ۳۳۲)
۱۱۔ مفتی سعد اللہ مراد آبادی	(تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۴)
۱۲۔ محمد جمیل برہان پوری	(〃 〃 〃 ص ۴۲۳)
۱۳۔ مولوی امیر حسن سہسوانی	(〃 〃 〃 ص ۵۶۳)
۱۴۔ مولوی کریم الدین پانی پتی مؤلف تذکرہ شعرائے ہند	(تذکرہ شعرائے ہند)
۱۵۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ	(تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۱۶۳)
۱۶۔ شیخ ضیاء الدین ایل۔ ایل۔ ڈی	(محمد احسن نانوتوی۔ ص ۱۸۴)
۱۷۔ مولوی ظہور علی (شمس الشعراء)	(تذکرہ علمائے ہند در بیان آزردہ)

٭ ٭ ٭

ذوقِ سخن | مفتی صاحب اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں مشقِ سخن کرتے تھے۔ اردو میں اوائل میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے کچھ عرصے بعد میاں مجرم اکبر آبادی اور آخر میں میر ممنون سے مشورہ لیتے تھے۔

اردو میں ان کا کلام نہایت صاف و سلیس اور پُر اثر ہے۔ مگر کبھی دیوان کی صورت میں شائع نہیں ہوا۔ کچھ تو اس میں سے ہنگامہ آزادی میں ضائع ہو گیا۔ اور باقی تذکروں میں منتشر پڑا

ہے۔ تبرکاً دو چار اشعار درج کئے جاتے ہیں :

دامن اس کا تو بہت دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں

٭

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

٭

آزردہ مر کے کوچہ جاناں میں رہ گیا
دی تھی دعا کسی نے کہ جنت میں گھر ملے

٭

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تیری بزمِ شراب میں

٭

اچھا ہوا نکل گئی آہِ حزیں کے ساتھ
اک قہر تھی ، بلا تھی ، قیامت تھی ، جاں نہیں

سرسید احمد خاں نے "آثار الصنادید" میں تینوں زبانوں میں نمونۂ کلام درج کیا ہے۔

پسماندگی اور افلاس کا اس مہلک اثر کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا جو مغربی طرزِ تعلیم کی اندھی تقلید کے ہاتھوں دنیائے اسلام کے مذہبی ممکنات پر پڑے گا۔ اگر ہم اسلام کی صداقت کو ایک ثقافتی عامل کی حیثیت سے محفوظ و مصئون رکھنا چاہتے ہیں ، تو ہمیں مغرب کے ذہنی ماحول سے ہر وقت اور ہر آن چوکنا رہنا ہوگا جو ہمارے معاشرہ اور ہمارے رجحانات پر غالب و مستولی ہونے والا ہے۔ مغربی زندگی کے طور طریق اور وضع قطع کی تقلید کر کے مسلمان مغربی نظریۂ حیات کو اختیار کرنے پر آہستہ آہستہ مجبور ہوتے چلے جا رہے ہیں کیونکہ کسی چیز کی ظاہری تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم رفتہ رفتہ اس چیز کے بارے میں دنیا کی رائے کو من و عن قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔